951

انتخاب تقاریظ

رسالہ

رمز قدرت

جسمیں دعا کا قدرتی ہونا۔ بڑے زور اور فصاحت کے
ساتھ فلسفیانہ طور پر ثابت کیا گیا ہی۔ جو بچوں اور بوڑھوں
کے حق میں یکساں مفید اور لطف عبارت و خوش
بیانی کے لحاظ سے بے نظیر۔ دہن داروں کے لئے سپر اور منکروں
کے حق میں شمشیر ہے

مصنفہ
منشی ہیرالال صاحب گورنمنٹ پنشنر

مترجم
ملس یو ٹی لیٹیرینزم ۔ موسومہ راز مسرت و ویسٹرن تہتا مقبوضات کاری
من تصنیف چارلس آنسٹرنگ بہادر ڈپٹی کمشنر الموڑہ

اردو پریس علی گڑھ میں طبع ہوا

رازِ فرائض

ایک مشکل راز ہی۔ مگر بچّوں کے سمجھنے کے لیئے لوہے
کی طرح پانی کر دیا ہی دس گیارہ برس کی بچّے بھی اسے
آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور خدا کے وجود۔ اُسکے فضل و
کرم۔ اُسکے حقوق اور فرائض کے اسطرح قائل ہوتے
ہیں کہ تمام عمر نہیں بھول سکتے۔ بچّوں کو دین دار۔ اور نیک بنانے
کے لیئے ایک بے نظیر مختصر رسالہ۔

قیمت صرف ۲ر ۲ پائی

المشتہر

ہیرالال گورنمنٹ پنشنر شہر علی گڈھ

دُعا

تقریظ طبعزاد شمس العلما جناب مولوی الطاف حسین صاحب حالی

اسمیں کچھ کلام نہیں کہ اضطراری حالت میں خدا کیطرف رجوع ہونا اور اُسکی جناب میں گڑگڑا کر دعا مانگنا انسان کی فطرت میں داخل ہی یہانتک کہ جو لوگ وجود واجب الوجود کے منکر ہیں وہ بھی اضطرار کی حالت میں دعا مانگنے سے باز نہیں رہ سکتے چنانچہ ایک دہریہ کا حال سُنا گیا ہی کہ وہ جہاز میں سوار تھا اور وہاں بھی اپنے ساتھیوں کے سامنے خدا کے وجود کی نفی کر رہا تھا اتفاقاً سخت طوفان آیا اور تمام جہاز والے خدا کے سامنے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر دعا مانگنے لگے اُسوقت جو حالت اور لوگوں کی تھی اُسیطرح وہ شخص بھی نہایت خضوع خشوع سے دعا مانگ رہا تھا جب طوفان فرو ہو گیا اور وہ اضطراری حالت باقی نہ رہی تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ اب بھی تم خدا کے وجود کے قائل ہوئے یا نہیں اُسنے جواب دیا کہ اُسوقت طوفان کے خوف سے میری عقل زائل ہو گئی تھی اسلئے ایسی حالت میں جو فعل کسی سے سرزد ہو وہ اعتبار کے لائق نہیں ہی اُسکے اس جواب کے کچھ ہی معنی لگاؤ ہر حالت میں یہ نتیجہ ضرور نکلیگا کہ اضطراری حالت

میں خدا کیطرف رجوع کرنا اور اُس سے اپنی حاجت روائی کے لیئے التجا کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہی اور غالباً اُن چند بے قید نوجوانوں کے سوا جنہوں نے انگریزی تعلیم سے قواعد مذہبی کی تحقیر کے سوا اور کچھ نہیں سیکھا، شاید ہی کوئی شخص اسبات کا انکار کریگا کہ انسان اضطرار کی حالت میں خدا کیطرف رجوع کرنے پر مجبول ہی جو لوگ دعا کو ذریعۂ حصول مقاصد نہیں سمجھتے وہ بھی دعا مانگنے کو فضول یا عبث نہیں کہتے بلکہ اُسکو افضل ترین عبادت جانتے ہیں اور دعا کے مستجاب ہونے اور عبادت کے مقبول ہونیکے ایک ہی معنی سمجھتے ہیں جیسا کہ ہمارے نبی نے فرمایا ہی کہ دعا عبادت کا لُبِ لُباب ہی اور ایک جگہ فرمایا کہ دعا خود عبادت ہی۔ دعا پر منشی ہیرالال صاحب کا مضمون میں نے بڑے شوق اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ بیشک اس قسم کے مضامین اگر عام فہم اور سلیس عبارت میں لکھے جائیں تو اس زمانہ میں جبکہ تعلیم کی بدولت مذہبی آداب و سُنن سے دل اُچاٹ ہوتے جاتے ہیں۔ نوجوانوں کے لیئے نہایت مفید ہو سکتے ہیں۔

فقط الطاف حسین حالی

تقریظ طبعزاد شمس العلما جناب مولوی ذکاء اللہ صاحب

دہلی لائبریری میں اُسکے چند ممبر دو نکلے روبرو جناب منشی ہیرالال صاحب

پوسٹماسٹر مرادآباد نے اپنا مضمون دعا کے باب میں پڑھکر سُنایا جسے سب سامعین سُنکر مسرور و محظوظ ہوئے اور بالاتفاق جناب مولوی شمس العلما حافظ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی نے اور جناب راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے اور میں نے مضمون کی انشا پردازی کی داد دی - یہ مضمون دعا کے باب میں ایسا دلچسپ لکھا ہو کہ مجھے یقین ہے کہ جیسا دعا کا مانگنا خاص و عام کو پسند ہو ایسا ہی یہ مضمون انکو پسند ہوگا - اسکے پڑھنے سے دعا کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ دعا مانگنے سے خدا تعالیٰ دوجہان کی نعمتیں دیتا ہے یہ مضمون نوعمروں کے حق میں بڑا مفید ہو جو انگریزی تعلیم پانے سے دعا سے منحرف ہوجاتے ہیں - مصنف نے مضمون کی تمہید اپنے اس ایجاد سے کی ہے کہ بچہ جو ولادت کے وقت روتا ہو اسمیں ایک رمز روحانی دعا کی ہے تحقیقات علمیہ سے قطع نظر کی ہو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسکے پھیپھڑے میں ہوا کے داخل ہونے سے وہ چیختا ہے جو لوگ دعا کے منکر اس سبب سے ہیں کہ یہ انکا اعتقاد ہے کہ جو قسمت یا پیشانی میں لکھا ہے وہ پیش آتا ہو اور دعا مانگنے سے مٹ نہیں سکتا اسلیے دعا مانگنا عبث ہے یا جو لوگ دعا سے منحرف اسوجہ سے ہیں کہ ہمارے سارے کام آئین قدرت کے موافق ہوتے ہیں جنمیں تغیر و تبدل ناممکن ہے

اسلیئے دعا مانگنا ناحق ہے ان دونوں قسم کے آدمیوں کی دلائل کی مصنف نے
تضحیک کی ہے اور اپنے مضمون کے مستند کرنیکے لئے عارفان کامل کے
اشعار برمحل نقل کئے ہیں اور ایک حکایت استاد ذوق کے دعا مانگنے کی بڑی
دلچسپ آزاد کے آبِ حیات سے نقل کی ہے ان اشعار اور اس حکایت سے
مضمون بڑا دلچسپ ہوگیا ہے - غرض یہ مضمون باعتبار انشا پردازی اور
آزادانہ خیالات کے مصنف نے خوب لکھا ہے اسکے پڑھنے سے سب مستفید ہوسکتے
ہیں خاص کر نوعمروں کے دل میں دعا کی عظمت و وقعت کو متمکن کریگا - پھر
وہ دعا سے منکر و منحرف نہیں ہونگے بلکہ مضمون نگار کو دعا دینگے کہ اسنے ہم کو
راہ ضلالت سے بچایا فقط - ذکاءاللہ

تقریظ طبع زاد شمس العلما مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی

میں اُن لوگوں کا ہمخیال نہیں ہوں جو دعا کو بے اثر اور فعل عبث سمجھتے ہیں
دعا کے بارہ میں میرا عقیدہ عام مسلمانوں بلکہ عام آدمیوں کا اجماعی عقیدہ ہے
کہ دعا میں اثر ہے اور حصول مدعا کے اسباب اور ذرائع میں سے ایک
(قوی ایک) دعا بھی ہے - میرا یہ عقیدہ تقلیدی نہیں بلکہ میں نے سوچ
سمجھکر دعا کے بارہ میں اپنی رائے قائم کی ہے - اختلاف جو ہم میں اور

منکرین دعا میں ہے فی الحقیقت متفرع ہے اُس اختلاف پر جو ہم دو
فریق ذات باری تعالےٰ کی نسبت رکھتے ہیں۔ ہمکو ایسے خدا کی ضرورت
ہی اور ایسے ہی خدا کو ہم مانتے بھی ہیں جو قادر مطلق ہی۔ بیشک عالم میں
اسباب کا سلسلہ اُسیکا قایم کیا ہوا ہے لیکن اوّل تو اسباب میں سے
کوئی سبب اپنی ذات سے موثر نہیں ورنہ ہر سبب کو بجائے خود قادر مستقل
ماننا پڑے جو خدا کی وحدانیت کے صریح خلاف ہی اور خدا اگر واحد نہیں
تو وہ شایان خدائی نہیں۔ اچھا پھر جب اسباب عالم میں سے کوئی
سبب اپنی ذات سے موثر نہیں تو چار و ناچار ماننا پڑتا ہی کہ ہر سبب
میں خدا نے ایقاع معلول کا اثر بخشا ہی۔ جو خدا عطائے اثر پر قادر ہے
وہ سلب اثر پر اور ایجاد سبب جدید پر کیوں نہ قادر ہو۔ غرض اسباب
کا سلسلہ جسکو تمنے لوہے کی زنجیر کی طرح مضبوط سمجھ رکھا ہی واقع میں
مکڑی کے جالے کی طرح بودا ہی۔ دوسرے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو
کام ہمارے کرنے سے ہوتے ہیں ان میں سبب اوّل ہمارا ارادہ ہوتا
ہی مثلاً اگر ہم ایک مکان بنوانا چاہیں تو گو ظاہر میں مال مصالح۔ معمار
نجار۔ مزدور۔ بیلدار عمارت کے اسباب ہیں مگر سبب اوّل ہمارا ارادہ

ہے اگر ہم ارادہ ہی نکریں تو دوسرے سارے اسباب دھرے رہجائیں اسی طرح اگر ہر واقع کے لیئے خدا کے ارادہ کو پہلا سبب ٹھرایا جاوے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے انتظام دُنیا میں کیا خلل واقع ہوسکتا ہے ؎

نبارد ہوا تا نگوئی بہ بار　　زمین نا وردتا نگوئی بیار

علاوہ بریں ایک بڑی بات یہ ہے کہ ہمکو سلسلہ اسباب سے پوری پوری آگہی نہیں بقول عرب ؎

الا لا تیاسن اخا البلیہ　　فللہ حسن الطاف خفیہ۔ اے شخص مبتلائے مصیبت نا امید نہو کیونکہ خدا کے ہاں پوشیدہ مہربانیاں بھی ہیں پوشیدہ مہربانیوں سے مراد ہیں پوشیدہ اسباب جنکا ہمکو علم نہیں۔ دین کی باتوں کو دنیا کی باتوں پر قیاس کرنے سے بہت سے شبہات آسانی کے ساتھ رفع ہو جاتے ہیں قانون کے ساتھ بادشاہ کا ایک حق ہوتا ہے جس کو انگریزی میں پیریروگیٹو کہتے ہیں کہ بادشاہ اپنے ارادہ سے قانون کو منسوخ کرے بادشاہ ایسا استحقاق عمل میں لاتے ہیں اور اس سے قانون کی وقعت میں کچھ خلل نہیں آتا یہی حال خدا کا ہے سلسلہ اسباب کے ساتھ تو کیا حرج ہے اب رہی تقدیر اسکے معنی بھی لوگوں نے غلط سمجھے ہیں

ہیں۔ حقیقت الحال یہ ہی کہ جن کاموں میں انسان کے ارادے اور اسکی سعی کو دخل ہی اُن ہیں تقدیر کا یہ مطلب ہی کہ خدا کو پہلے سے معلوم رہتا ہے کہ آدمی اپنے اختیار سے اپنا ارادہ کسطرف صرف کریگا نہ یہ کہ خدا آدمی کو صرف ارادہ پہر مجبور کرتا ہے۔ یہ مباحث ہیں مشکل اور ریویو کے صفحہ دو صفحہ میں ان کا حق ادا نہیں ہوسکتا لب لباب یہ ہی کہ جس دلیل سے ہم خدا کو مانتے ہیں اور وہ دلیل ہمارے دل کی گواہی ہی اور بس اُسی دلیل سے ہم دعا کا با اثر ہونا بھی مانتے ہیں۔ منشی ہیرالال صاحب نے دعا پر آرٹیکل لکھکر بڑا ثواب کمایا ہی دعا کا اثبات کرنا عین خدا کی ہستی کا ثابت کرنا ہے خدا کو ماننا تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہی افسوس ہی کہ یونیورسٹیوں کی تعلیم تمام مذاہب کی جڑوں کو کہوکہلا کر رہی ہے دیکھئے انجام کیا ہو فقط

(نذیر احمد)

تقریظ طبعزاد مولوی مشتاق حسین صاحب وقار الملک

دعا کا قلمی نسخہ من تصنیفات جناب بابو ہیرالال صاحب پوسٹ ماسٹر مراد آباد خود جناب مصنف سلمہ اللہ تعالیٰ کے زبان مبارک سے من اولہ الی آخرہ

میں نے سنا ہی وانچہ از دل بیخیزد بر دل میریزد میرے دل پر جو اثر کاُن کے دعا کے مضمون سے ہوا ہی وہ بہت گہرا اثر ہے دعا پر متعدد مصنفین نے مضامین لکھے ہیں اور بڑے بڑے فلسفیوں نے اُس پر طبع آزمائی کی ہی لیکن یہ مضمون نہ کسی ادیب اور شاعر کے بس کا ہی اور نہ کسی فلسفی کے قابو کا۔ یہ صرف اُن لوگوں کا مضمون ہی جن کے دل میں خدا نے درد پیدا کیا ہے اور صدق دل سے وہ اپنے پروردگار ہی پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں اسمیں نہ کسی مذہب کو دخل ہی اور نہ کسی ملت کو اسوقت جناب سر سید احمد خان مرحوم ومغفور کا مضمون دعا بھی میرے سامنے ہی۔ جناب مرحوم ومغفور کا زور قلم آج تمام ملک میں مسلم ہے لیکن ان دونوں مضمونوں میں فرق یہ ہے کہ جناب سید صاحب کا مضمونِ دعا بندے کو اپنے خدا سے جدا کرتا ہے اور بابو صاحب کا مضمون عبد اور معبود کے تعلقات کو مستحکم کرنے والا ہے بابو صاحب کا یہ مضمون بلا تخصیص قوم وملت ہر ایک فرد کے لئے مفید ہے اور بچوں کے لئے ایسے چھوٹے چھوٹے عام فہم رسائل مفید تر تحریر ۲۳ مئی ۱۹۰۳ء امروہہ

خاکسار۔ مشتاق حسین

تقریظ طبعزاد لالہ شیام سروپ صاحب بی اے ایل ایل بی

مضمون دعا ایک ایسا مضمون ہے کہ جسپر غور کرنے کی ہر شخص کو ضرورت ہے اور ہر ایک کیواسطے موجب فلاح و دلچسپی ہو سکتا ہے یہ دینی و دنیوی بہبودی کی کنجی ہے اور مغفرت کا خاص ذریعہ۔ ایجاب دعا کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا بشرطیکہ دعا خلوص دل سے ہو۔ کسیکا قول ہے ؎

بازآ بازآ ہر آنچہ ہستی بازآ ؛ گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ
درگاہ خدا درگہ نومیدی نیست ؛ صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

مگر اس مضمون کی ماہیت سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں بعض اشخاص نے اس مضمون پر طبع آزمائی کی ہے مگر اکثر عبارت آرائی کے شوق اور اپنے خیالات کی بلند پروازیوں میں نفس مضمون کو کہو بیٹھتے ہیں یا فلاسفی کے پیچیدہ مسائل میں سرگردان ہو کر منزل مقصود سے ہاتھ دہو بیٹھتے ہیں حال میں بابو ہیرالال صاحب پوسٹماسٹر مرادآباد کا رسالہ دعا میری نظر سے گذرا میں نے بطور خود بھی اسکو پڑھا اور نیز مصنف موصوف کی زبان مبارک سے جلسہ لٹریری سوسائٹی مرادآباد میں سنا۔ اسمیں دونوں خوبیاں ہیں حسن صورت و لطف معنی اور پھر مختصر بھی ہے علاوہ قابلیت و محنت کے جس سے اس

مضمون کے لکھنے میں کام لیا گیا ہی صاف معلوم ہوتا ہی کہ مصنف کا دلی شوق
بہی شامل ہی جسنے اسکو اس خوبی کے درجہ پر پہونچایا ہی خیالات اعلیٰ عبارت
پاکیزہ و چسپتہ ہی اور دعا کے قدرتی حالت کا خوب فوٹو اُتارا ہی اس سنجیدہ
مضمون کو ایسے دلچسپ پیرایہ میں جلوہ گر کرنا بابو صاحب ہی کا کام تہا اور ایک
خاص بات یہ ہی کہ مضمون مذکور کسی خاص فرقہ کے خیالات سے تعلق نہیں رکھتا
بلکہ ایک عام فلسفیانہ مضمون ہی جس سے بلالحاظ مذہب و ملت ہر شخص استفادہ
کرسکتا ہی۔ خصوصاً طلبا اور نوجوانوں کے لیئے یہ رسالہ نہایت مفید ہوگا جنکے
اخلاق اور مذہبی خیالات کو ایسی تعلیم کے نہ ہونے سے اکثر سخت نقصان
پہونچتا ہے۔ فقط   شیام سروپ۔ سکرٹری لٹریری سوسائٹی

مرادآباد

تقریظ طبعزاد لالہ دیوکی نندن لال صاحب بی اے ایل ایل بی منصف مرادآباد

اس امر کی عام شکایت ہے کہ ہمارے پبلک مدارس کا طرز تعلیم ایسا نہیں ہے
جس سے طلبا کے دلوں میں خداوند عالم کی عظمت و جلال کا اثر اُسکے رحم و
عنایات پر تسکین بخش بھروسہ اور بالعموم خدا ترسی کا مادہ پیدا ہو اور جو
کتابیں کہ مدارس میں جاری ہیں عموماً وہ بالقصد اس قسم کے مضامین

سی معرملی رکھی جاتی ہیں - طرز تعلیم کی یہہ خامی ایک عرصہ سے محسوس ہوچکی ہی مگر بوجہ اختلاف مذاہب جو اس ملک میں موجود ہیں اس معاملہ میں گورمنٹ بھی مجبور ہی - با اینہمہ میں یہ کہوں گا کہ ہر زمانہ و ہر قوم و مذہب میں سچے اور بے تعصب مردان خدا ایسے ہوتے آئے ہیں جنکا کلام ہر ملت کے تاریک دلونکو اسی طور پر روشن کرنے والا ہی جیسے ایک سورج سارے نظام شمسی کو روشنی بخشتا ہے - چند سال گذرے کہ مڈل ریڈر مولفہ جناب نسفیلڈ صاحب بہادر میرے نظر سے گذری جسمیں پہلا مضمون Universal prayer یعنی "ہر مذہب کی دعا" ہی - اُسکے پڑہتے ہی میں پھڑک گیا کہ باوجود اختلاف مذاہب کے بھی یہ بات ممکن ہی کہ ہندو مسلمان و پارسی و عیسائی ایک جماعت میں ہم آواز ہوکر نہایت پر اثر طریقہ پر دست دعا اُٹھا سکتے ہیں اور خداوند عالم کی درگاہ میں جبہ سائی کر سکتے ہیں وہ مضمون جو کافی طور پر مطول ہی انگلستان کے مشہور شاعر پوپ کے زور قلم کا نتیجہ ہے اور اُسکے اول بند میں خداوند عالم سے اسطرح پر خطاب کیا گیا ہی

Father of all in every age
In every clime adored
By saint, by savage or by sage
Jehovah, Jove or Lord.

خیر یہ تو ہر مذہب کی دعا تھی جسکو لائق مولف نے اس حسن انتخاب کے ساتھ ایسی
اہم کتاب کے شروع میں درج کیا ہی لیکن پھر بھی بعض لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسے
پیدا ہو سکتے ہیں کہ دعا کی ضرورت ہی کیا ہی اور اُسکا مستجاب ہونا ہی ایک امر
موہوم ہے۔ اس کمی کو ہمارے لائق دوست بابو ہیرا لال صاحب پوسٹ ماسٹر اوآبا
نے عجیب و غریب حُسنِ لیاقت کے ساتھ پورا کر دیا ہی۔ اُنہوں نے مدلل طور سے
ثابت کر دیا ہی کہ خدا کی طرف رجوع لانا ایک جزو قانون قدرت ہے" اور خدا کی
عظمت و شان اور انسان کے نیچر کے مناسب ہی" مثلاً الیہ کا مضمون دعا فی الواقع
اس قابل ہی کہ ہر شخص اُسکو حرز جاں بنائے۔ زبان اور محاورہ بھی نہایت شستہ
اور پاکیزہ ہی اگر کاش یہی مضمون بطور کورس اُردو مڈل کلاس کے طلبا کے ذہن
نشین کرایا جاوے اور اُسی کا ہم مضمون کوئی آرٹیکل یا رسالہ ہندی اور دیگر زبانیں
کے سیکھنے والوں کے ہاتھ میں دیا جاوے تو ہمارے طلبا کی اخلاقی تعلیم پر کسقدر
قوی اثر پڑے۔

سبحان اللہ کیا طرز بیان ہی اور کسقدر بے تعصب خیالات ہیں۔ لائق مصنف
نے ثابت کر دیا ہی کہ پروردگار عالم سے دعا مانگنا لازمی نتیجہ قانون قدرت ہے
اور ہر زمانہ و ہر ملت میں یہ ایک فرض اہم سمجھا گیا ہی۔ فی الواقع یہ رسالہ ایسا ہی ہم

کہ ہر ملت کے لوگ اسکو حرز جان بنا کر کہیں اور اپنے ہی عقیدہ کے موافق اسکے مضامین سے لطف اٹھا ویں۔

چونکہ صانع و پروردگار عالم کی صفات بے پایان ہیں اسکے رحم و فضل کی توقع مختلف جماعت ہای انسانی مختلف شکلوں سے کرتی ہیں۔ کوئی مالک اور بندہ کا تعلق مانتا ہے۔ کوئی اسکو آسمانی باپ تصور کرتا ہے کوئی اسکو پرمیشور اور جگت پتا دونوں بھاؤ سے دیکھتا ہے۔ الغرض انسانی طلب و خواہش کی مختلف کیفیتیں ہیں۔

مگر ایک خاص کیفیت جو مصنف کے مضمون میں (بوجہ اسکے کہ میں سنا تن دھرمی ہوں) دوبارہ پڑھنے پر مجھ کو نظر آئی ہے جسکو غالباً خود لائق مصنف نے قصداً مد نظر نہ رکھا ہو لیکن جو بلحاظ اسکے کہ مصنف کی پاک اور سچی نیت اور بے تعصبی کا یہ تہی کہ انکا مضمون جملہ عامہ خلائق کو یکساں مقبول ہو شاید از خود انکے مضمون میں کچھ عجیب طرح سے پیدا ہو گئی ہے اور جس نے اُس مضمون کی دلاویزی کے دائرہ کو اور بھی وسیع کر دیا ہے وہ ہے جو مولانا روم کے اُس شعر سے پیدا ہوتی ہے جو سارے مضمون کی جان ہے اور جسکا بار بار اعادہ لائق مصنف نے اس حسن بندش کے ساتھ اپنے مضمون میں کیا ہے۔

معصوم بچے کا دودھ کے واسطے رونے اور پستان مادر میں جوش پیدا

ہونے کی پر اثر تمثیل نے مجھے آج اُس حسن عقیدت کا قائل کر دیا ہی جو خاص سناتن دھرم کا حصہ ہی اور وہ یہ ہی کہ ہمارے بعض بزرگان دین نے عالم کے پیدا کرنے والے اور پرورش کرنے والے کو محض جگت پتا کہہ کر نہیں پکارا ہے بلکہ اُسے ایک مادر مہربان اور جگدمبا کی شکل میں بھی دیکھا ہی اور غالباً ہزاروں برس پہلے نہایت پُر اثر طور پر یہ راز اُنکے ذہن نشین ہو چکا تھا کہ ؎

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

دیوکی نندن سہائی - ۱۳ مئی ۱۹۱۶ء

تقریظ مولوی سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی بی اے ڈیٹر اردوئے معلیٰ علیگڈھ

دعا پر منشی ہیرا لال صاحب کا دلچسپ مضمون اور اس مضمون پر بعض مشہور اہل قلم کی تقریظیں فقیر کی نظر سے گذریں۔ اس مضمون کا مبحث نہایت اہم اور دقیق ہی لیکن منشی صاحب کے انداز کی سادگی الفاظ کی سلاست اور خیالات کی دلنشینی نے اُسے حد درجہ دلپذیر اور شیریں بنا دیا ہی۔ آپنے یہ بالکل صحیح تحریر فرمایا ہی کہ دعا سے "انسان کی طبیعت پر صبر و استقلال، تحمل و برداشت، کسر نفسی، فراخ دلی، لطف و کرم، تواضع و تکریم، ادب و صداقت، دلجوئی و ہمدردی کا رنگ چڑھتا ہی

اسی کی بدولت سُست و کاہل چست و چالاک ہو جاتے ہیں اور ظالم و بیرحم رحمدل۔ خودی و خود غرضی کی اسمیں بُو باقی نہیں رہتی۔ غرور اور شیخی کا نشان نہیں رہتا" علاوہ بریں محبت اور شوق، جو دعا کے لوازمات سے ہیں، بجائے خود ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو با خدا بنانے کیلئے کافی ہیں۔ خصوصاً شوق جسکی نسبت منشی صاحب نے کیا خوب لکھا ہے کہ "دعا میں جو شوق دامنگیر ہوتا ہے وہ اُس حُسن عالم افروز کے سامنے ہونے اور اس سے دو بدو ہونیکا شوق ہے جسکی تمام عالم میں جلوہ آرائی ہے اور جسکی دلفریب ادائیں قدرت کی ہر چیز میں نمایاں ہو کر نکتہ شناسوں کے دلکو گھائل کرتی ہیں"۔ امید ہے کہ ارباب شوق اس رسالے کی قدر کرینگے خصوصاً طالب علم اُسکے مطالعے سے ضرور مستفید ہونگے۔ فقط

تقریظ طبعزاد مولوی محمد سجاد میرزا صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول مراد آباد

باسمہ و عونہ تعالے

رسالہ دعا من تصنیف منشی ہیرالال صاحب پوسٹ ماسٹر مراد آباد ہیچمدان کی نظر سے گزرا احقر نے اسکو سرتا پا مسلسل و مدلل پایا یا نسخہ دعا کیا ہے نسخہ اکسیر ہے

مضمون روح افزا ہی اور تحریر مثل دعائے دلِ پاکاں پُرتاثیر۔ ہر فرد بشر
کو بالعموم اور ہر طالب علم کو بالخصوص اسے پڑہنا چاہیے بلکہ اسکو تو اسے تعویذ
جان کی طرح گلے کا ہار رکہنا چاہیئے اور راقم کو دعائے خیر سے یاد کرنا فقط

احقر العباد محمد سجاد میرزا۔ مراد آباد مورخہ یکم ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

تقریظ طبعزاد مولوی فرید احمد صاحب بی اے پلیڈر امروہہ

کچہ عرصہ گذرا مجہے رسالہ دعا مصنفہ جناب بابو ہیرالال صاحب پوسٹ
ماسٹر مراد آباد کے سُننے کی عزت حاصل ہوئی ہتی۔ جناب بابو صاحب
ممدوح نے دعا کے متعلق جو کچہ تحریر فرمایا ہی وہ ایک سچے اور پُر درد اور
جوش سے بہرے ہوئے دل سے نکلنے کے باعث متقناطیسی اثر رکہتا ہی۔ بابو
صاحب ایک روشن خیال انگریزی تعلیم یافتہ جنٹلمین ہیں اور آج کل کے
زمانہ میں جبکہ تعصب اور ہٹ دہرمی کا نام دینداری ہے ایسے بزرگوں
اور ایسی تصانیف کی ازحد ضرورت ہی جو لوگوں کو اُن امور کی جانب متوجہ کریں
جنہیں ہم سب۔ باوجود اختلاف مذاہب کے ایک سطح پر اتحاد و یکجہتی کے ساتھ
ایک دوسرے سے مل سکیں اور تبادلہ و اصلاح خیالات کر سکیں۔ تائید و حمایت
مذہب میں لڑنا جہگڑنا۔ لعن طعن کرنا بحث و مباحثہ میں سرگرمی دکہلانا

اور بڑے بڑے دلائل و براہین کو کام میں لانا ایسے امور ہیں جنکو مذہب کے اصلی مقصد سے کچھ علاقہ نہیں - مذہب ایک قلبی کیفیت سے علاقہ رکھتا ہے اور وہ انسان کو عجز و انکسار و اخلاص و محبت کے ذرائع سے اُسکے خالق کی جانب کھینچتا ہی اور خالق کے ساتھ میں اُسکی مخلوق کی محبت بھی دل میں جاگزیں کرتا ہے اور اسی طرح پر انسان کے تمام افعال و اعمال میں اُسکا رہبر اور ہادی بنتا ہے - جب مذہب کا اصلی مقصد قلبی اثرات کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہو تو دعا کی نسبت بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اُس مقصد اصلی پر پہونچنے کا زینہ ہے جناب بابو صاحب ممدوح نے دعا جیسے اہم مضمون کی جانب ہر مذہب و ملت کے اصحاب کو متوجہ کیا ہی اُن کے لفظ لفظ سے اخلاص و محبت کی بو آتی ہی خداوند کریم اُن کے ارادہ میں برکت عطا فرمائے - فرید احمد

ساکن امروہہ محلہ شیخزادہ - ۳ اگست ۱۹۰۳ء

تقریظ طبعزاد مولوی کرایم جلال الدین صاحب ہیڈ پرشین ٹیچر گورنمنٹ اسکول مراد آباد مصنف اُردو انسائیکلوپیڈیا وغیرہ

آج مجھکو وکٹوریا کلب مراد آباد میں بموجودگی اکثر عمائدین شہر و حکام عالی

مقام ہمیک آرٹیکل سُننے کا موقع ملا جسکے مصنف عالیجناب بابو ہیرالال صاحب
پوسٹ ماسٹر مرادآباد ہیں - اگر فی الواقع بچشم خود بابو صاحب ممدوح کو
ایسی طلاقت لسانی و سلاست بیانی کے ساتھ اس اوق مضمون کو
سناتے نہ دیکھتا تو مجھکو بمشکل اس امر کا اطمینان ہوتا کہ آج اس زمانہ میں جبکہ
پورانے سچے خیالات کے عمیق دریا کو مغربی علوم ظاہری کے سیلاب نے
عظیم الحاد و زندقہ کے گرد و غبار سے منوا نزپاٹ رہے ہیں ہند و سوسائٹی کے
انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص میں بابو ہیرالال صاحب جیسے ذیعلم و ذی لیاقت
لوگ بھی موجود ہیں جو اپنی ہمت عالی اور بلند خیالی سے دیو تعصب کو مغلوب
کرکے اپنے مضمون میں جا بجا مولانائے روم قدس سرہٗ کے اشعار کو بطور
دلیل پیش کریں - درحقیقت وہی مضمون اس زمانہ میں ہر دلعزیزی حاصل
کرسکتا ہے جو تعصب مذہبی کے آلایش سے صاف اور حسد و بغض کے
زنگ سے پاک ہو ہندوستان فی زماننا ہر مذہب و ملت کا سنٹر بنا ہوا ہے
لہذا جو حضرات اپنے خیالات کو عام پسندیدگی کے زیور سے آراستہ اور
بخلعت تحسین و آفریں سے پیراستہ کرنا چاہتے ہوں وہ بابو صاحب ممدوح
کے تقلید کریں جنکے مضمون و عا میں کسی مذہب و ملت مخصوص کی نوک

نہیں۔ جنکے اچھوتے سچے مدلل اور معقول خیالات میں سکیٹرین توہمات کی ہوا تک نہیں۔ تاہم لائق مصنف نے یہ کمال کیا ہی کہ کوئی فقرہ اس دلچسپ تحریر کا ایسا نہیں جو سرتاسر مذہبی رنگ میں نہ رنگا ہوا ہو اور کوئی جملہ ایسا نہیں جو اصول خداشناسی کو لیئے ہوئے عطر معرفت میں ڈبا یا گیا ہو۔ مضمون دعا اگرچہ پامال مضمون ہے اور ہمیشہ اسپر طبع آزمیاں کی گئیں ہیں لیکن بمصداق ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ ہر مصنف کا ایک نیا طرز ہوتا ہے اور ہر طرز میں ایک نیا لطف ہیں نے چند اہل الرائے اشخاص کے مضامین دعا کے بارہ میں دیکھے ہیں منجملہ اُنکے ایک بسیط ارٹیکل ہندوستان کے ایک بڑے اور نامور شخص کا تھا جسمیں دعا کے ان پہلوؤنکو جہاں اجابت وقبولیت سے تعلق ہی ایسا ضعیف کردیا گیا ہے جس سے دعا کی اہمیت وضرورت اور اُسکی فطرتی خواہش کا قریب قریب بطلان ہوا جاتا ہے لیکن اس مضمون میں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہر گلے را رنگ و بوئی دیگر است گیندے اور گندے کی بو آتی ہے تو بابو صاحب کی تحریر سے گلاب اور یاسمن کے خوشبو مہک رہی ہے اور پھر دلائل معقول کے ساتھ عبارت آرائی کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو الفاظ کے چستی اور فقرات کی درستی سے لئے سو لئے ہیں

سہاگہ کا کام دیا ہے اس زمانہ میں سائنس نہیں بلکہ اُسکی ایک شاخ یعنی علم
طبیعات کی کتابوں نے جو مدارس میں رائج ہیں ہندوستانی طلبہ کو دونیں
خواہ مخواہ چون وچرا کا مادہ پیدا کردیا ہے جو عقائد مذہبی کے لیئے سم قاتل
سے کم نہیں اور رفتہ رفتہ اسکا زہریلا اثر یہ ہوتا جاتا ہو کہ نو تعلیم یافتہ اشخاص
اپنے اپنے مذہب اور اُسکے ارکان وطرق کو نظر عظمت سے نہیں دیکھتے بلکہ
پابندی مذہب اور ادائے فرائض شرعی کو جاہلوں اور عامیوں کا حصہ تصور
کرتے ہیں اور ہر تراز ادراک وفہم عقائد کو محض عقل کی کسوٹی پر جانچتے ہیں اور
اپنے جانچ میں ناکام رہکر دین سے بدعقیدہ اور منحرف ہوجاتے ہیں۔ افسوس
ہو ایسے شخصوں پر جو طبیعات اور کمسٹری کی کتابونکو خدا کی کتابوں پر ترجیح
دیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اگر مذہب کی بنیاد محض محسوسات پر ہوتی تو آج
کسی مذہب کا نام موسوی۔ عیسوی۔ بدہ اور برہمنی نہوتا بلکہ ارسطاطالیسی فیثا
غورسی۔ بطلیموسی اور افلاطونی ہوتا کیونکہ دنیا نے ان کو عقل مجسم مان لیا ہے
اور محسوسات کے بارہ میں اُن کی ہر رائے کو تسلیم کرلیا لیکن عبد و معبود
کے تعلقات اور معرفت خدا وندی ونجات ابدی کے مسائل کو یہ لوگ طے
نہ کرسکے کیونکہ وہ حواس خمسہ کے احاطہ سے خارج اور توسن طبع کی رسائی

سے دور تھے۔ میں مقر ہوں کہ سائنس ایک نہایت عمدہ علم بلکہ تمام علموں کی جان ہی لیکن اُسیوقت تک جب تک کہ وہ اپنی حد میں چلے جیسا کہ ریل گاڑی نہایت مفید اور آرام دہ اور کارآمد سواری ہے مگر اُسیوقت تک جب تک کہ وہ ریلوی لائن پر ہے ورنہ جیسے اس کا پٹڑی پر سے ہٹ جانا مسافروں کے لیئے مہلک اور قیامت خیز ہے اُسیطرح سائنس کا محسوسات سے قدم بڑھانا رہروانِ عدم کے لیئے رہزنی و قطاع الطریقی کا کام دیتا ہے چنانچہ ہر مذہب کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں معقول و منقول میں کہتا ہوں کہ معقول مسائل میں سائنس کے دلائل کو بہت کچھ گنجائش ہی بلکہ حکمت کے قواعد سے کسی مسئلہ کا منطبق یا ثابت ہوجانا اُس مسئلہ کے پیرو کے لیئے باعث ترقی اعتقاد کا ہوتا ہے۔ لیکن خرابی یہ ہوئی کہ اصول اور دلائل سائنس کو معقولات میں چسپاں کرتے کرتے منقولات میں بھی اُن کی مدد سے دخل در معقولات ہونے لگا ہے اور اسی سے مجھکو اختلاف ہے کیا کوئی دوربین ایسی ایجاد ہوئی ہے جس سے جنات اور فرشتے اور ارواحِ قدسیہ نظر آسکیں۔ کیا کوئی خوردبین ایسی بنی ہے جو روح کو بدن انسان سے مفارقت کرتے ہوئے دیکھہ پائے کیا کوئی آلہ ایسا ایجاد ہوا ہے جس سے اہل

اصُول دین یعنی خدا کی وحدانیت کا اقرار خدا کو نعوذ باللہ دکھلا کر کرا دیں۔ کیا فردوس برین کے باغ و بہار اور نجات ابدی کے خوش آئند مقام سے اور دوزخ یا نرکھ کے شدائد کی کوئی پیرس اور لندن کی رسدگاہ معائنہ کرا سکتی ہے کیا مسٹر ایڈیسن نے کوئی سامان الیکٹرسٹی کی مدد سے ایسا اختراع کیا ہی کہ جو کسی مُردہ کے واقعاتِ عالمِ برزخ کو بچشم ظاہر ملاحظہ کرا دے افسوس ہے کہ حامیانِ سائنس کو جواب انکاری دینا پڑیگا لہذا ضرورت داعی ہے اس امر کی کہ ہر قوم کے ذیعلم حضرات کمر ہمت باندھکر کھڑے ہو جاویں اور اپنے علم و فضل کی مدد سے اس طوفان کا پوری طاقت سے مقابلہ کریں جو ہندوستان پر مغرب کی طرف سے اُمڈا چلا آتا ہی۔ بس اسقدر کہنے سے باز نہیں رہسکتا کہ میرے مکرم جناب بابو ہیرالال صاحب پوسٹ ماسٹر مرادآباد نے اپنی ڈیوٹی انجامؔ دی ہے اور دعا کا مضمون اس قابلیت سے لکھا ہی کہ وہ اس ضرورت دینی کو بہت کچھ رفع کرتا ہے جو مجھکو اس زمانہ تاریک میں محسوس ہو رہی ہے خدا آپکو اور توفیق سعید عطا فرماوے فقط

کے ایم جلال الدین مرادآبادی مصنف اُردو انسائیکلوپیڈیا
وتاریخ جنگ روم و یونان وغیرہ مورخہ ۲۹ رجون سنہ ۱۹۰۳ء

تقریظ جناب مولوی محمد احسن اللہ خان صاحب ثاقب مدیر قند پارسی علیگڈہ

جناب منشی ہیرالال صاحب نے جو مضمون دعا تحریر کیا ہے اُسکی سلاست اور شستگی زبان قابل ستائش ہے۔ ولی کی زبان ہے اور رونق بیان۔

قطع نظر خوبی زبان کے منشی صاحب موصوف کے خیالات بہی پاکیزہ ہیں اور پیرایہ ادا اور بہی دلکش ہے اور اس خصوص میں وہ بزرگان قدیم کا عمدہ نمونہ ہیں۔

اس تعلیم جدید کے دور میں جب کہ کسی کو نہ ترقی زبان کی پروا ہی اور نہ محاسن اخلاق و تزکیہ خیالات کی طرف توجہ ہے ایسے مضامین کی اشاعت بہت ضروری اور مفید معلوم ہوتی ہی یہ مضمون اطفال کے لیئے نہایت سودمند ہے۔ اُن کی زبان کی اصلاح ہوگی اور مذہبی خیالات بہی، جو ہر نیکی کی اصل ہیں، دلنشین ہونگے۔ حقیقت میں دنیا جو محض ایک انقلاب گاہ ہے اُسمیں اگر انسان کے لئے اطمینان

خاطر کا کوئی ذریعہ ہے تو وہ دعا ہے۔ ہر پریشانی اور مصیبت کے زمانے میں دعا ہی ہمارا سہارا ہے۔ اس حیات مستعار میں بہت سے ایسے موقع پیش آتے ہیں جن میں ہم محض بیدست وپا اور مایوس ہوجاتے ہیں۔ اسوقت اگر ہم دعا کے ذریعے سے اپنا دُکھ درد اُس خدائے پاک کے حضور میں جسکی رحمت عام ہے عرض نکرسکیں تو میرے خیال میں انسانی زندگی کا خاتمہ ہوجائے۔

بہرحال منشی صاحب کی اس کامیابی پر ہم اُن کو مبارکباد دیتے ہیں اور اُنکے خیالات کی قدر کرتے ہیں۔

کتبہ العبد المذنب محمد احسن اللہ خاں ثاقب عفی عنہٗ علی گڑہ

فضیل الحسن نے اپنے اردو پریس علی گڑہ میں منشی ہیرالال صاحب پبلشر مصنف کے لئے چھاپا

ایک گدھے کی سرگذشت

بالتصویر

پڑہیے - اور واہ وا کیجیے - عجیب عجیب شوخیاں - شرارتیں - بے وقوفی یا عقلمندیاں ہیں پھر لطف یہ کہ اسکے پڑہنے سے گدھا گدھا نہیں رہتا اور آدمی ہوجاتا ہی بالکل نیٔ ڈہنگ کی کھانی - جو انگریزی زبان سے ترجمہ کی گئی ہی نیا ڈہنگ نئی بات اور بچّوں کے لیئے ایک عجیب دل خوش کرنے والی اور مفید سوغات -

حصّہ اوّل

قیمت ۶ ؍

المشتہر

ہیرالال گورنمنٹ پنشنر مترجم علی گڑہ

رمز قدرت

یعنی

دعا کی قدرتی ہونے پر - ایک مدلل اور عام فہم رسالہ - بچے اور بوڑھوں کے لیئے یکساں مفید - لطف عبارت اور خوش بیانی کے لیئے لحاظ سے بے نظیر - دین داروں کے لئے سپر - اور منکروں کے حق میں شمشیر - بڑے بڑے شمس العلماؤں نے اسپر تقریظیں لکھی ہیں - اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اسکی خوبی اور بے تعصبی کی داد دی ہے -

المشتہر

ہیرالال گورنمنٹ پنشنر علی گڑہ

مترجم

ملس یوٹی لیٹیرینزم - موسومہ راز مسرت - وولیسٹرن تبت

و سرکاری مقبوضات وغیرہ

قیمت فیجلد ۸/ پانچ جلدونکی قیمت صرف (عہ/)

رسالہ

رمز قدرت

جس میں دعا کا قدرتی ہونا بڑے زور اور فصاحت کے ساتھ فلسفیانہ طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ جو بچّوں اور بوڑھوں کے حق میں یکساں مفید اور لطف عبارت و خوش بیانی کے لحاظ سے بے نظیر دین داروں کے لیے سپر اور منکروں کے حق میں شمشیر ہے

مصنّفہ

منشی ہیرالال صاحب گورنمنٹ پنشنر

مترجم

ملس یونی لیٹر نیزم۔ موسومۂ از مسرت وویسٹرن تبت و مقبوضات سرکاری من تصنیف چارلس اے شرنگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر الموڑہ

اُردو پریس علی گڑھ میں طبع ہوا

راز فرایض

ایک مشکل راز ہے۔ مگر بچوں کے سمجھنے کے لیے لوہے کی
طرح پانی کر دیا ہے دس گیارہ برس کے بچے بھی اسے آسانی سے
سمجھ سکتے ہیں۔ اور خدا کے وجود۔ اُسکے فضل و کرم۔ اُسکے حقوق اور
فرایض کے اسطرح قائل ہوتے ہیں کہ تمام عمر نہیں بھول سکتے بچوں
کو دین دار۔ اور نیک بنانے کے لئے ایک بے نظیر مختصر

رسالہ

قیمت صرف ۴ر ۶ پائی۔

المشتہر
ہیرا لال گورنمنٹ پنشنر شہر علیگڈہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجکو بھی بچالے جیسے تو نے یوسف کو گناہ سے بچایا
مومن کہے کس سے حال آخر ہے کون ترے سوا خدایا

خدا سے دعا مانگنا - خدا کی عظمت و شان - اور انسان کے مناسب حال ہی

دعا ایک معمولی ورعام فہم لفظ ہی اور سب جانتے ہیں کہ خدا کی جناب میں اپنی مرادیں لیکر رجوع لانیکو دعا کہتے ہیں - یہ لفظ ہر ملک کی زبان میں موجود ہی اور سلف سے لوگوں کے کان اس سے آشنا ہیں گویا انسان کی اور اور ضرورتوں کی طرح خدا سے دعا مانگنا بھی ایک انسانی ضرورت ہی جو اس بات کی مقتضی ہی کہ اسکے لیے ہر زبان میں ایک جدا لفظ ہو - زمانہ کی تاریخ - اور دنیا کے عام دستور سے تو یہی پتہ لگتا ہی مگر بعض شخص ایسے بھی ہیں جو اس کے قائل نہیں اور اُن کو دعا کی نسبت چند اعتراض ہیں -

چنانچہ انہیں سے بعض کا یہ قول ہی کہ دعا ایک فعل عبث ہی۔ اسلئے جو تقدیر میں لکھا ہی وہ ہیگا ہی

بقول شخصے

شعر

انچہ نصیب است ہم میرسد

ورنہ ستانی بستم میرسد

پھر دعا مانگو تو واہ واہ۔ اور نہ مانگو واہ واہ۔ بعضے کہتے ہیں۔ شعر

کارساز ما بفکر کار ما

فکر ما در کار ما آزار ما

یعنی جب خدا کو ہماری ضرورتوں کی خبر ہی اور وہی انکا پورا کرنیوالا ہی پھر ہم کس سے دعا مانگیں اور کس لیے مانگیں

کچھ اس خیال میں ہیں کہ جو جیسا کرتا ہی ویسا بھرتا ہے کہ کردو نیافت قدرت کا اک عام دستور ہی اس صورت میں دعا کا کیا نتیجہ ہی

بعض کو اعتراض ہی کہ آئین قدرت کسی کے ناک رگڑنے اور جبہ سائی کرنے سے نہیں بدلتے پھر دعا کس مرض کی دوا ہی بقول شخصے۔ شعر

قضا دگر نشود ور نہ ہزار نالہ و آہ بشکر یا بشکایت برآید از دہنے

کچھ لوگ سرے سے وجود خدا کے قائل ہی نہیں۔ یہ دعا مانگیں تو کس سے مانگیں
غرضیکہ ہزار منہ اور ہزار باتیں ہیں۔ مگر تماشا یہ ہے کہ ادہر دعا کی نسبت ایسے ایسے
اعتراض ہیں۔ اور ادہر بزرگان دین کی ہدایتیں اور انکی زندگانی کی زندہ نظیریں
گویا بزبان حال ہمکو یہ سکھا رہی ہیں کہ دعا ایمان کی جان اور روح کا ارمان ہے
چنانچہ ایکدفعہ ایک جلسہ میں یہی بحث پیش تھی کہ ہمارے ایک شفیق نے جو وہاں
موجود تھے دعا کی برکتوں کی نسبت حضرت مولانا روم کا یہ شعر بطور سند پیش کیا شعر

تا نگرید طفل کے جوشد لبن

تا نگرید ابر کے خندد چمن

اتفاق سے بہاشا میں بھی اسی قسم کی ایک یہ کہاوت مشہور ہے کہ بے ماتا
کے پڑے اور بے دیئے کے برسے کسیکا پیٹ نہیں بھرتا۔ اللہ اللہ کیا توارد
ہے اور دو مختلف زبانوں میں ایک ہی مضمون اپنے اپنے طور پر کیا جلوہ دکھا
رہا ہے۔ مگر سوچنے کے لایق یہ بات ہے کہ یہ کیسے سنجیدہ کلام ہیں اور ان کے
کیا معنی ہیں۔

یہ کون نہیں جانتا کہ بچہ پیدا ہوتے ہی روتا ہے مگر کیا کارخانہ قدرت میں یہ عجیب
تماشا جو آئے دن ہوتا رہتا ہے بے معنی اور بے سبب ہے اور کیا قدرت کا

کوئی کلام بھی ایسا ہے جو لغو او رفضول ہو اس میں شک نہیں کہ قدرت کسی سے رو بدو اور ہم کلام نہیں ہوتی۔ مگر آخر کار یہ کل علم جو تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں آئے کہاں سے۔ کیا قدرت کے سوا کوئی اور ایسا سرچشمہ ہے جس سے علم وفن کے دریا نکلتے ہوں اور جس کے شاگردی و خوشہ چینی کا ہر عالم و کامل۔ خواہ وہ شاعر و مصوّر ہو یا حکیم و فلاسفر۔ فخر کرتا ہو۔ یہ سب قدرت کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں اور اس کی رمز شناسی کا دم بھرتے ہیں۔

لیکن جہاں قدرت کی اور ہزار ہا رمزیں جن سے ہر علم و فن کی ایجاد ہے وہاں سمجھنے والوں کے لیے یہ بھی ایک رمز ہے۔ کہ

تانگرید طفل کے جوشد لبن
تانگرید ابر کے خندد چمن

بچہ کے پیدا ہوتے ہی رونے میں جو قدرت کی رمز مخفی ہے۔ اُسے اور کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ بچہ کے حلق سے رونے کی آواز نکلتے ہی ماں کے خون کی صورت بدل جاتی ہے۔ بچہ کا رونا ہے اور ماں کی چھاتیوں سے دودھ کا امنڈنا ہے۔ گویا دانۂ قدرت نے بچہ کے رونے میں کچھ معنی رکھے ہیں جس کو بچہ کی ماں محسوس کرتی ہے۔

وہ سمجھتی ہی کہ بچہ کا یہ رونا۔ ایک معصوم شیرخوار بے زبان کی زبان میں حسنِ طلب ہی

وہ جانتی ہی کہ بچہ کا یہ رونا ایک دردانگیز۔ مگر دلکش آواز میں اظہارِ مطلب ہی

اُسے خبر ہی کہ بچہ کا یہ رونا ایک پُرملال۔ مگر شیریں کلام میں ماں سے دودھ کیلیے خطاب کرتا ہی۔

کچھ دنوں بعد جبکہ بچہ ذرا بڑا ہو جاتا ہی۔ تب غیر اور اوپری لوگ بھی اس بات کو تاڑنے اور سمجھنے لگتے ہیں کہ بچہ بھوک سے رویا کرتا ہی قصہ مختصر۔ جملہ باتوں کے لحاظ سے بچہ کے پیدا ہوتے ہی رونے کے معنی یہ ٹھہرتے ہیں کہ بھوک کا اظہار ورطلب غذا۔ یا صاف لفظوں میں یوں کہو کہ بھوک لگی ہی دودھ پلا

پس اظہارِ حال و التجا دو باتیں ہیں جو بچہ کے پیدا ہوتے ہی ویسی شامل ہیں لیکن انصاف شرط ہی۔ کہ کیا دعا عرضِ حال و التجا نہیں

اے صاحبِ دل کی اُن سچی خواہشوں ہی کا نام دعا ہی جن کیلئے خدا کی جناب میں التجا کی جاتی ہی یا یوں سمجھو کہ جسطرح سطح سے پانی کے بلند ہونے کو موج کہتے ہیں۔ اور آگ کی اشتعال کو لو۔ اسیطرح جو خواہشیں انسان کے دل سے نکلکر۔ ایمان کے جھونکوں کے ساتھ آسمان تک چڑھ جائیں ان کو دعا

کہتے ہیں بس بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا۔ اگر عرض حال و التجا ہی تو وہ کھلم کھلا دعا ہی۔

اور اس حساب سے دعا کا مادہ انسان کی فطرت میں داخل ہی۔ جو وہ اپنے دم کے ساتھ لایا ہی۔ اگر یہ کہیئے کہ بچہ کا ماں سے خطاب کرنا اور چیز ہی اور جناب باری میں عرض حال و التجا کرنا اور شے۔ تب کیا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کو جاننے پہچاننے لگتا ہی۔ بچہ ہنوز اعتبار و ادراک پہنچا نہیں ہی۔ اُس کے لطف و شفقت سے آگاہ نہیں ہی۔ مگر پھر بھی روتا ہی۔ ادہر ماں کا یہ حال ہی کہ ابھی آنکھ بھر کر بچہ کو دیکھا نہیں ہی گود میں اُسے لیا نہیں ہی۔ مگر پھر بھی دودھ کا اُمنڈ آتا ہی اور ذرا سوچئے تو کہ کارخانہ قدرت میں بچہ کی غذا کا یہ اہتمام نہوتا تو ماں بیچاری کہاں سے دودھ پیدا کر لیتی یا جن نامراد ماؤں کے اتفاق سے دودھ نہیں اُترتا وہی کیا کر لیتی ہیں۔ یا اگرچہ اپنی طرف سے بہت کچھ تدبیریں کرتی ہیں کہیں زیرہ وستا اور پھانکتی ہیں کہیں حکیم و ڈاکٹر کا نسخہ پیتی ہیں مگر پھر بھی اکثر دودھ نہیں اُترتا۔ اور بچہ بھوکا بلک بلک کر رہجاتا ہی۔ اس صورت میں ضرور ہی کہ بچہ کا مخاطب ماں کے سوا کوئی اور ہو اور وہ بجز اُس ذات واجب الوجود کے اور کون ہوسکتا ہی جو بیچوں و چرا ہی بقول ناسخ۔ شعر۔

طفل رو رو کے یہ کہتے ہیں زبان حال سے

جو عدم میں چین تھا دامان مادر میں نہیں

پھر بچہ کا رونا ماں کے سنانے کے لیے کب ہیں یہ اسی کے کان تک پہونچا لیے ہی جو ماں اور بچہ دونوں کا محافظ ہی اور سب کی سنتا ہی پس واقف کاران اسرار کے نزدیک بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا کارخانہ قدرت میں ایک رمز ہی جس کے یہ معنی ہیں کہ دعا کا مادہ انسان کی فطرت میں ہی - اور یہ بسم اللہ ہی اُس زندگانی کی جو انسان کو زمین پر بسر کرنی چاہیے - یہ اظہار ہی اُس قوت روحانی کا جو آسمان سے نعمتیں نازل ہونیکا ذریعہ ہی - اور یہ خدا اور بندہ کے درمیان ایک واسطہ ہے جس کی انصافاً بڑی ضرورت تھی - اس لیے اگر خدا بادشاہ دو عالم ہی اور انسان اشرف المخلوقات - تو ضرور ہی کہ اُس کو اپنے بادشاہ کی درگاہ تک پہونچنے اور اسکی جناب میں اپنی ضرورتیں پیش کرنیکا حق اور ذریعہ بھی حاصل ہو چنانچہ جو بزرگ اس راہ کے چلنے والے - اور اس کوچہ کی سیر کرنیوالے بندگان مقبول ہوئے ہیں - ان کا یہی عقیدہ ہی بقول شخصے

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

گیتا میں تلسی داس نے اسی بات کو پھاشا میں اور بھی زور اور صراحت کے ساتھ یوں لکھا ہے۔

تلسی آہ غریب کی ہر سے سہی نجائے
موئی کھال کی آہ سے سار بھسم ہو جائے

لیکن آہ کسے کہتے ہیں اور نالہ و بکا کیا ہے۔ غور سے دیکھئے تو یہ بھی اُسی عرض حال و التجا کی ایک شکل ہے جسکا نام دعا ہے اور جسکا تخم انسان کے خمیر میں نہاں اور بچے کے پیدا ہوتے ہی رونے میں عیاں ہے۔ غرضیکہ خواہ بندگان پاک کے تجربہ پر نظر کرو۔ خواہ قدرت کی تعلیم پر۔ دونو اس معاملہ میں ہم زبان ہیں اور جدہر دیکھیے اُدہر سے یہی صدا آتی ہے کہ اے بشر نادان آگاہ و خبردار ہو کہ تجھے خدا نے ایک ایسی قوت روحانی بخشی ہے جس کی زمین سے آسمان تک رسائی ہے پھر اُس کے لیے نہ گولی چاہیے نہ بارود صرف جنبش لب اور دل کا اشارہ کافی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نشانہ بازسچا ہو۔

تجھے یاد رکھنا چاہیے کہ تو اگرچہ اشرف المخلوقات ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی محتاج و لاچار بھی سب سے بیش بچہ کی رونے کی کیفیت پر نگاہ کر۔ اور اس سے عبرت پکڑ۔ تیرے گذارے کی دنیا میں یہی شکل سب سے بہتر ہے

کہ تو جناب باری میں عرض حال و التجا کا عادی ہو۔ اور حضرت مولانا روم
کا یہ شعر ہر وقت تیرے پیش نظر ہو

تا نگرید طفل کے جوشد لبن
تا نگرید ابر کے خندد چمن

اگرچہ اس تصریح کے بعد کہ بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا دراصل الابتہال الی اللہ
بالسؤال کی تعلیم ہے اہل غرض و غور خود سمجھ لیں گے۔ کہ وہ کیسے لغو سے اعتراض
ہیں جو دعا کی نسبت شروع میں لکھے گئے ہیں۔ اس صورت میں بہتر تھا کہ
ہم ان کے جواب میں خاموشی اختیار کرتے۔ اس لیے کہ ایسی لاطائل باتوں کا
یہی جواب سب سے بہتر ہے۔ مگر رفع حجت کے لیے اتنا ہم پھر بھی کہینگے
کہ جو صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کو ہماری ضرورتوں کی ہمارے کہے بغیر خبر ہے
پھر اس سے مانگنا کیا۔ یا جو مقدر میں لکھا ہے وہ امٹ ہے۔ پھر کوئی کس لیے
جبہ سائی کرے اور ناک رگڑے ان کی خدمت میں بصد ادب ہماری یہ
گذارش ہے کہ اے حضرات ذرا زمانہ کے دستور اور اپنے تجربہ پر نظر کیجئے۔
کہ یہ تم کو کیا سکھا رہا ہے کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تمہارے ننھے بچے اس بات کو نہیں
جانتے کہ تمہیں ان کی کل خبر ہے اور خود ان کی بہتری اور بہبودی کی فکر ہے

مگر پھر بھی وہ تم سے آئے دن طرح طرح کی فرمائشیں کرتے رہتے ہیں اور گو وہ محروم اور ناکامیاب بھی ہوں تاہم تم سے مانگے ہی جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا رعایا سرکار کی معاملات پر نگاہ کیجئے تو کوئی بدنصیب رعایا اتفاق سے ایسی ہوگی جس کو اپنے بادشاہ کے عدل و انصاف داد و کرم پر بھروسہ نہو۔ اور جو یہ نہ جانتی ہو کہ جو بات اُن کے حق میں مفید ہے وہی اُنکا بادشاہ جائز و روا رکھتا ہے

مگر پھر بھی رعایا ہمیشہ اپنی ضرورتیں سرکار کے روبرو پیش کرتی رہتی ہے جب یہ عام دستور ٹھیرا اور زمانہ کا چلن اسی طور پر ہے تو پھر خدا سے ہی مانگنے میں کیا قباحت ہے۔ اور گو اُسے تمہارے دلوں کی خبر ہے۔ لیکن کیا خدا سے رجوع لانا اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ ہر دستک داد ہر اُو در کشاید جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کیا انسان کے ناک رگڑنے و جبہ سائی کرنے سے آئین قدرت بدل جاتے ہیں۔ اُنسے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا دعا میں کوئی ایسی چیز بھی مانگی جاتی ہے جو آئین قدرت کے خلاف ہو۔ مگر شاید انہوں نے کبھی مولانا روم کا یہ کلام نہیں سنا کہ

بحر کو آبے بہ ہر جو میدہد ہر خسے را بر سر و رو می نہد

کم نخواہد گشت دریا زیں کرم   از کرم دریا نگردد بیش و کم

تم ایک چھوٹی سی پن چکی کسی دریا میں لگا لو اور اس سے ہزاروں من غلہ لاکھوں آدمیوں کے پیٹ بھرنے کے لائق پیس لو۔ مگر وہ دریا بدستور جاری رہیگا اس کے جوش و خروش میں فرق نہ آئے گا۔ علی ہذا توفیق و دعا بھی بحر کائنات میں ایک پن چکی ہے تم اس سے جتنا چاہو کام لے لو مگر اس پن چکی سے دریا کی روانی اور جوش و خروش میں کچھ فرق آجائے یہ ممکن نہیں۔ پھر یہ دیکھئے کہ سمندر میں چاند کی کشش سے جزر و مد پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ کجا چاند اور کجا سمندر۔ ان میں پوچھئے تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس موقع پر سمندر خوب خوب بل مارتا ہے اور اونچا اٹھتا ہے لیکن کیا سمندر کے اس جزر و مد سے چاند کی چمک دمک اور جلوہ افروزی میں کچھ فرق آجاتا ہے ہرگز نہیں بلکہ برخلاف اس کے اگر چاند کے ہوتے سمندر میں جوار بھاٹا اٹھنا لازمی ہے تو خدا کے ہوتے تمہارے دلوں میں دعا کا جزر و مد پیدا ہونا بھی لازمی ہے۔ اور یہی ثبوت ہے اس امر کا کہ خدا سے دعا مانگنا خدا کی عظمت و شان اور انسان کے مناسب حال ہے۔

اور یہی سبب ہے کہ زمانہ نے سیکڑوں پلٹے کھائے ہیں اور ہزاروں رنگ

بدلے ہیں مگر دعا کا جو سلطنت سے انسان کے دلوں پر تسلط بیٹھا ہے وہ آجتک
بدستور قائم ہے حتیٰ کہ جسطرف جائیے اور جہاں نظر ڈالیے خواہ وہ جنگل و بیابان ہو
یا شہر غدر۔ گلی کوچہ ہو۔ یا شارع عام و بازار مسجد و خانقاہ ہو مندر یا گرجا ہو کسی
دولتمند کا محل ہو یا غریب کا جھونپڑا۔ غرضکہ جہاں جائیے اور جدہر نظر ڈالیے
وہاں سے یہی پتہ لگتا ہے کہ دعا کو لوگ ہمیشہ سے اپنی زندگانی کا ایک ایسا کام
سمجھتے رہے ہیں جن سے ان کے دلوں کو تسکین ہوتی ہے اور گو خدا کی حقیقت
کو لوگوں نے اچھی طرح نہ سمجھا ہو اور اسکے سمجھنے میں غلطیاں کی ہوں یا یہ
کہ ان کی رسم و رواج مکروہ و نفرت انگیز ہوں یا جس بات کو وہ اپنے زعم
میں نیک اور داخل ثواب سمجھتے ہوں۔ وہ دراصل ظلم و گناہ ہو یہ سب کچھ
ممکن ہے مگر زمانہ کی تاریخ میں کوئی دور اور وقت ایسا نہیں ہوا جبکہ دعا کا
دور دورہ نہ رہا ہو اور جبکہ لوگوں نے اسکی ضرورت اور برکتوں کو نہ مانا ہو
پس جو معدودے چند اس سے منحرف ہیں وہ مثل مستثنیات عامہ
کے ہیں جو قانون میں داخل ہیں مگر قاعدہ کلیہ سے باہر ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو نہ خدا کے قائل ہیں۔ نہ مشیت ایزدی کے اور
جو اپنے آپ کو معقول پسند بتلاتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ دعا خالی بیٹھنے

سکا اچھا شغل ہی۔ بقول شخصے ۔ بے کار مباش کچھ کیا کر۔ یا
ان کے مناسب حال ہی۔ جو دنیا چھوڑ کے گوشہ تنہائی میں بیٹھے ہیں
جیسے مندروں کے پوجاری ۔ اور گرجوں کے پادری ہیں۔ جنکو دنیا
کی کچھ فکر نہیں ہوتی ۔ یا عورتوں اور بچوں کو زیبا ہی۔ اس لیے کہ ان کے
دل نرم ہوتے ہیں اور اس ذریعہ سے ان کے دل کے ابخرات خوب
نکل جاتے ہیں ہم کام والے آدمی ٹھہرے ۔ ہمکو ایسی فضول باتوں اور
چوچلوں کی کہاں فرصت ۔ ہم اگر خالی بیٹھے تسبیح پھیرا کریں ۔ اور وہ
بھی اس امید پر کہ خدا اس سے خوش ہوتا ہی۔ تو کہئے کیونکر گذارہ ہو
نا ۔ بابا ۔ ہم ان باتوں کے قائل نہیں ۔ ہم صاحب عقل ہیں ۔ اور عقل ہی
کا ہمکو بھروسہ چاہئیے دنیا کے کل دہندے عقل سے چلتے ہیں۔ اسی کی
جابجا روشنی ہی پس عقل کو فضیلت ہی۔ اور اس کے ہم بندے ہیں۔
سچ ہی بجا ارشاد ہوا۔ ہم بھی عقل کی فضیلت کو مانتے ہیں اور اس میں شک
نہیں کہ عقل بڑی چیز ہے اور اسی کی جابجا روشنی ہی۔ یہ جب بلند پرواز ہی
کر لی ہی تو کبھی زمین و آسمان کا بعد و مسافت ناپ لاتی ہے۔ کبھی ستاروں
کو گردش کرتے دیکھ آتی ہی۔ کبھی نیچے کو رخ کیا تو ایک نئی دنیا کا پتہ لگا

لائی کبھی کسی اونچے پہاڑ پر پہنچی تو وہاں سے نئے نئے پودے اور ادویات
لائی۔ غرضیکہ دنیا میں اس کی بڑی بڑی کارروائیاں اور جلوہ آرائیاں ہیں
یہ سب کچھ ہی لیکن اول تو اس کے اُن باتوں کے انکشافات میں بہت غلطیاں
ہیں۔ جو امور روحانی ہیں اور جہاں حواس کو دخل نہیں بقول حالی

مٹی سے ہوا سے آب و آتش سے یہاں
کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانہ میں ازل سے اب تک　　گنجینۂ غیب ہیں بدستور نہاں

اور خیر یہ بھی نہ سہی تو کیا عقل انسانی کبھی دھوکا نہیں کھاتی۔ کیا عالموں نے
مسائل علمی کی تلاش و تحقیقات میں غلطیاں نہیں کی ہیں۔ کیا اب کل راز
قدرت انسان پر کھل چکے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو ضرور ہے کہ کم از کم
امور روحانی کی جانچ کا سوائے عقل کے کوئی اور بھی ذریعہ ہو مگر وہ کیا ہے
لیکن بالفعل اس بحث کو ملتوی رکھئے۔ اور سب سے پہلے ذرا یہ دیکھئے کہ
کیا واقعی ترکیب دعا میں عقل کو دخل نہیں۔ ہٹ دھرمی کی نہیں مانی۔
انصاف سے دیکھئے تو دعا میں سب سے پہلے عقل سے کام لیا جاتا
ہے۔ چنانچہ شروع ہی میں یہ الفاظ کہ یارب۔ یا معبود۔ یا پرمیشر

وہ الفاظ ہیں - کہ جن کے زبان پر آتے ہی دنیا کے بڑے بڑے مسائل
پیچیدہ اور قدرت کے راز سربستہ عقل کی نگاہ کے روبرو بکھر جاتی ہیں
اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ کہنے والے نے اپنی عقل سے کچھ
کام لیا ہے اور وہ عبد و عبودیت کے تعلقات کو سمجھے ہوئے ہے اسکے
سوا دعا میں نفس مضمون پر نظر رکھنا - اس کے اسباب اور نتائج سمجھنا
اسکی منظوری یا غیر منظوری کی حالت میں جو صورتیں پیش آئیں ان کیلئے
تیار رہنا یہ سب عقل کی نشانیاں ہیں اگر دعا میں عقل کو دخل نہ ہو تو پھر دعا کیا
دیوانہ کی بڑ ہے کہ جو زبان پر آیا بکتا چلا گیا خواہ اس کے کچھ معنی و مقصود
ہو یا نہو - برخلاف اس کے دعا میں جو اصلی دعا ہے عقل کو ایسی ایسی ضروری
اور سنجیدہ باتیں طے کرنی ہوتی ہیں کہ یہ قید ہستی کیا ہے - انسان کی ذات
کی حقیقت کیا ہے - اس کا اس دنیا میں کیا کام ہے - اور بالآخر اس کا
کیا انجام ہے اور یہ وہ باتیں ہیں کہ جب تک یہ انسان کی عقل کے سامنے
نہوں اور وہ ان کو خوب سوچے سمجھے نہو اسوقت تک وہ حسن نیت
کے ساتھ دعا ہی نہیں کر سکتا - آپ ایک عقل ہی کا ہر کام میں دخل بتلاتے
ہیں ہم کہتے ہیں کہ عقل کے سوا دو چیزیں اور بھی ہیں جن کا ہر کام میں

دخل ہے۔ ارادہ و شوق خصوصاً شوق جو ہر کام کا جزو اعظم ہے بقول شیخ سعدی ع

شوق در هر دل که باشد رهبری در کار نیست

اور اگر یہ پوچھیے کہ دعا میں کس چیز کا شوق دامن گیر ہوتا ہے۔ تو اس کے جواب میں بس یہ سمجھ لو کہ بقول غالب

بیخودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

کوئی بات تو اس کام میں ضرور ایسی ہے جس کی وجہ سے انسان تمام دنیا سے منھ موڑ اور اس کے کل مزے و نعمتیں چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے قید تنہائی اختیار کرتا ہے اور خوشی بخوشی گوشۂ عزلت میں ہو بیٹھتا ہے۔ کاش اس راز سے تمام ہندو مسلمان اور عیسائی واقف ہوتے اور بقول حالی یہ جانتے ہوتے کہ

زہد تقوی سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب

وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص

اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ کوئی ایسا بھید بھی نہیں جو پوشیدہ ہو اور جس سے کوئی واقف نہ ہو بلکہ جو اس کام کے ٹھیک ٹھیک کرنیوالے ہیں۔ وہ

جانتے ہیں کہ دعا میں جو شوق دامنگیر ہوتا ہے وہ اس حسن عالم افروز
کے سامنے ہونے اور اس سے دوبدو ہونے کا شوق ہے۔ جس کی دلفریب
ادائیں قدرت کی ہر چیز میں نمایاں ہو کر عالم اور نکتہ شناسوں کے دل کو
گھائل کرتی ہیں بقول حافظ۔

سحر با باد میگفتم حدیث آرزو مندی
خطاب آمد کہ واثق شو بالطاف خداوندی

دعائے صبح و آہ شب کلید گنج مقصود ست
بدین راہ و روش میرو کہ با دلدار پیوندی

پس جس دعا میں یہ شوق نہیں وہ دعا ہی کیا خاک ہوگی اور اس سے
کسی کا کیا بھلا ہو سکتا ہے۔ اب نہیں معلوم کہ ان باتوں پر بھی دعا
میں وہ کون سی خرابی ہے جس کی وجہ سے اسے خالی بیٹھے کا شغل یا بچوں
اور عورتوں کے مناسب حال بتلایا جاتا ہے۔

شاید معترضین کا یہ خیال اس وجہ سے ہو کہ ان کی نظر میں دعا کا کوئی
خاص فائدہ نہیں ہے جو صریح اور عام ہو اور جس سے ہر شخص متمتع ہو سکے
۔ اگر واقعی ان کا یہ خیال ہے تو یہ بھی غلطی ہے اور خواہ مخواہ ان کی نسبت
بقول حضرت سعدی یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ "چشمہ آفتاب را چہ گناہ"

کا معاملہ ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ دعا کے ذریعے جو انسان کے
قلب اور اخلاق پر اثر پڑتا ہے اور اس کے خیالات کی درستی ہوتی ہے
وہ کسی اور سبیل سے نہیں ہوتی۔ یہ وہ چیز ہے جس سے انسان کی طبیعت
کے میل ڈھلتے ہیں اور اس کی تعلیم و تربیت جلا پاتی ہے پھر وہ مشین ہے
جس میں اس کے اخلاق ڈھلتے ہیں پھر انسان کی درستی اوضاع و اطوار
کے لئے ایک خراد ہے اور پھر انسان کو سوسائٹی کا ایک کارآمد ممبر بنانیکی
بہترین تدبیر ہے۔ اسی سے انسان کی طبیعت پر صبر و استقلال۔ تحمل و
برداشت۔ کسر نفسی۔ فراخ دلی۔ لطف و کرم۔ تواضع و تکریم۔ ادب و
صداقت۔ دلجوئی و ہمدردی کا رنگ چڑھتا ہے اور نفسانیت دور
ہوتی ہے۔ اسی کی بدولت سست و کاہل چست و چالاک ہو جاتے
ہیں۔ ظالم و بیرحم رحمدل۔ خودی و خود غرضی کی بو باقی نہیں رہتی۔ غرور
و شیخی کا نشان نہیں رہتا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل غور و لحاظ
ہے کہ کیا ہی وہ خوبیاں اور اوصاف نہیں ہیں۔ جو ایک ایسے شخص میں
دیکھے جاتے ہیں جس سے سوسائٹی کو کچھ مدد مل سکتی ہے۔ یا جس سے
سوسائٹی کو کچھ بہتری کی امید ہو سکتی ہے چنانچہ جو لوگ صفحہ روزگار

پر اپنے جوش قومی اور ملکی خیر خواہی کے لیے یادگار رہوے ہیں اور جن کے رفاہ عام کے کاموں کے جھنڈے گڑے ہیں وہ زیادہ تر وہی لوگ تھے جو صاحب ایمان تھے اور جو دعا کو اپنا فرض جانتے تھے۔ پس دعا سے جو ذاتی فائدے انسان کو حاصل ہوتے ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا جاننے والے جانتے ہیں کہ جو عام فائدے انسان کو دعا سے حاصل ہوتے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں اور جو لوگ دعا کو فائدوں سے خالی بتلاتے ہیں یہ محض ان کی سمجھ کا پھیر ہے بقول ذوق۔ شعر

اچھے کو برا برے کو اچھا سمجھے ؛
کتنی یہ بری سمجھ ہے اچھا سمجھے ؛

مگر خوب یاد آیا۔ ذرا لگے ہاتھ یہ تو دیکھئے۔ کہ دعا کے متعلق انھیں حضرت ذوق کے حالات میں مصنف آبحیات نے کیا لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کا معمول تھا کہ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر بادشاہ کی غزل کہتے تھے۔ آدھے بجے تک اس سے فراغت ہوتی تھی۔ پھر اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھتے تھے اور اس کے بعد وظیفہ۔ وظیفہ کے وقت کبھی زیر آسمان ٹہلتے جاتے تھے۔ اور کبھی قبلہ رو ٹھہر جاتے تھے۔ اگرچہ

آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔ مگر اکثر اوقات اس جوش دل سے پڑھتے تھے
کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ وظیفہ ختم ہونے پر دعائیں
شروع ہوتی تھیں۔ یہ دعائیں کیا تھیں گویا ان کی طبیعت کی نیکی
اور نیک خواہی کا ایک نمونہ تھا۔ ان میں سب سے پہلے یہ دعا تھی کہ الٰہی ایمان
کی سلامتی۔ پھر بدن کی صحت دنیا کی عزت و حرمت میرے بادشاہ
کو با دولت و اقبال صحیح و سالم رکھ اس کے دشمن رد ہوں وغیرہ وغیرہ
پھر میاں اسمٰعیل یعنی اپنے بیٹے کے لیے۔ پھر اپنے عیال اور خاص خاص
دوست احباب کے لیے۔ بالخصوص کسی ایسے دوست کے لیے
جس کو کوئی خاص مشکل پیش ہو۔ ان کے دروازہ کے سامنے محلہ کا حلال
خور رہتا تھا۔ ان دنوں اس کا بیل بیمار تھا دعائیں مانگتے مانگتے وہ بھی
یاد آگیا تو کہنے لگے۔ یا الٰہی جُمّا حلال خور کا بیل بیمار ہے اسے بھی شفا دے یہ
بیچارہ بڑا غریب ہے اس کا بیل مر جائیگا تو یہ بھی مر جائے گا۔
سبحان اللہ کہاں جُمّا حلال خور کا بیل اور کہاں اس کی شفا کے لیے حضرت
ذوق بہادر شاہ بادشاہ کے استاد کا آدھی رات گئے دعا مانگنا بہت سے
لوگوں کو تو یہی تعجب ہوگا کہ انہیں آدھی رات تک محنت کرنے کے بعد

جاگا کیونکر جاتا ہوگا اویہ سوتے کس وقت ہوگے لیکن انہیں شاید یہ نہیں معلوم
کہ دعا میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں شوق کی ضرورت ہی اور یہ وہ شوق ہے
کہ جس کے سامنے نہ محنت کوئی چیز ہے۔ نہ تکان۔ پھر ہمدردی اس کا
خاص جوہر ہی اور ہمدردی بھی وہ وسیع ہمدردی کہ جس میں حرام حلال خور
کی تخصیص ہے نہ کسی اور کی۔

لیکن جن کی عقل کے نزدیک نہ خدا کوئی شے ہی نہ مذہب۔ خدا نا موجود
اور مذہب ڈھکوسلا۔ انسے کیا کہیے کہ دعا کی کیا برکتیں ہیں۔ اور کہنے
سے ہوتا ہی کیا ہے اس لیے کہ یہ ایسے بھکے ہوے ہیں کہ ان کا راہ
پر آنا مشکل ہے پس ہم انکو انکی رائے پر چھوڑتے ہیں اور مکرر یہ عرض کرتی
ہیں کہ با آنکہ زمانے نے سیکڑوں پلٹے کھائے ہیں۔ اور ہزاروں
رنگ بدلے ہیں۔ مگر دعا نے جو سلف سے انسان کے دلوں پر تسلط
بٹھایا ہی وہ آجتک بدستور قایم ہے اور جو معدودے چند اس کے
برخلاف یا اس سے محروم ہیں۔ وہ مثل مستثنیات عامہ کے ہیں جو
قانون میں داخل ہیں مگر قاعدہ کلیہ سے باہر ہیں۔

ہاں جو اپنے آپ کو کسی ملت و مذہب کا پابند سمجھتے ہیں انہیں یہ یاد

لکھنا چاہیے کہ کوئی فن ہو یا کمال اور انسان اس میں کیسا ہی کامل ہو لیکن ذریعہ
روزگار کیوں نہ ہو لیکن اس کی مزاولت ضرور ہے اگر یہ نہیں تو فن یا ہنر ہوا نہ ہوا
برابر ہے۔ مشق ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کے کل جوہر اور کل قوتیں جلا
پاتی ہیں اور اپنا پورا پورا اثر دکھاتی ہیں علی ہذا مذہب بھی اس عام قاعدہ سے
مستثنےٰ نہیں ہے۔ پھر گو کیسا ہی تسلی بخش ہو۔ انسان کو برائیوں سے
بچانے میں قوی اور زبردست ہو۔ اور اس کو راہ نیک پر لانیوالا ہو۔
مگر اس میں بھی مشق کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی جب ہی اپنا پورا پورا اثر دکھاتا
ہے جبکہ اس سے فائدہ اٹھانیکی کوشش کیجاتی ہے۔ یہ کوشش اگرچہ
ہزارہا شکلوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے اور ہر اہل مذہب اپنے اپنے طور
پر کچھ نہ کچھ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے مگر وہ کوشش
جس پر کہ مذہب کا کل دارومدار ہے جو ہر شخص کے قبضہ اختیار میں ہو جسمیں
امیر و غریب جوان و ضعیف کی تخصیص نہ ہو۔ جو ہر وقت و ہر آن ممکن ہو
جو بے تکان و آسان ہو۔ وہ کچھ اور چیز ہے اور اس کا نام دعا ہے۔ یہ
وہ شے ہے جس سے پردہ حجاب دور ہوتا ہے اور صورت مقصود نظر آتی ہے
یہ مذہب کی روح اور روح کا ارمان ہے۔ اور ایمان کی جان ہے۔ بس

مبارک ہیں وہ لوگ جو دعا کو دعا کی طرح مانگنا جانتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا کارخانجات قدرت میں دعا کی تعلیم ہے جو ایک قوت روحانی ہے اور جس کا مادہ اور قوتوں کی طرح انسان کے سرشت میں موجود ہے اٹھتے بیٹھتے۔ کھاتے۔ پیتے۔ چلتے پھرتے۔ دُکھ درد۔ غم و غصہ۔ خوف و ہراس شکر و سپاس کی حالت میں مولانا روم کے اس شعر کو یاد رکھتے ہیں۔ کہ۔ شعر

تا نگرید طفل کے جوشد لبن

تا نگرید ابر کے خندد چمن

تمام شد

رسالہ رمزِ قدرت پر شمس العلما
مولانا حالی - مولوی ذکا اللہ - مولوی
نذیر احمد اور نواب وقار الملک وغیرہ
مشہور اہل قلم نے جو قابل دید تقریظیں لکھی ہیں ان
کا مجموعہ علیحدہ چھپا ہے اور
مولف سے
طلب کرنے
پر
مل سکتا ہے

ایک گدھے کی سرگذشت

باتصویر

پڑھیے۔ اور واہ وا کیجئے۔ عجیب عجیب شوخیاں۔ شرارتیں۔
بے وقوفی یا عقلمندیاں ہیں پھر لطف یہ کہ اسکے پڑھنے سے
گدھا گدھا نہیں رہتا۔ اور آدمی ہو جاتا ہے۔ بالکل نئے
ڈھنگ کی کہانی جو انگریزی زبان سے ترجمہ کی گئی ہے۔ نیا ڈھنگ
نئی بات اور بچوں کے لئے ایک عجیب دل خوش کرنے والی اور
مفید سوغات۔

حصہ اول

قیمت ۶ ر

المشتہر

ہیرالال گورنمنٹ پنشنر مترجم علی گڑھ

رمز قدرت

یعنی

دعا کے قدرتی ہونے پر ایک مدلّل اور عام فہم رسالہ - بچّے اور بوڑھوں کے لیے یکساں مفید - لطف عبارت اور خوش بیانی کے لحاظ سے بےنظیر دین داروں کے لیے سپر - اور منکروں کے حق میں شمشیر - بڑے بڑے شمس العلماؤں نے اس پر تقریظیں لکھی ہیں اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اس کی خوبی اور بےتعصبی کی داد دی ہے

المشتہر

ہیرالال گورنمنٹ پنشنر علی گڑھ

مترجم

ملیس یو ٹی - لیٹر نیزم - موسومہ راز مسرت - و ولیسٹرن ہنت و سرکاری مقبوضات وغیرہ

قیمت فی جلد ۴ر پانچ جلدوں کی قیمت صرف عہ

سید فضل الحسن نے مصنف پبلشر کے لیے اپنے اُردو پریس علی گڑھ میں چھاپا